مشرقی تہذیب وتمدن کا پرستار قاضی عبدالستار

محمد فاروق خان

ایم۔ایس انٹر کالج سکندرآباد، بلند شہر(یوپی)، موبائل: 9359955642

۸رفروری ۱۹۳۳ء-۲۹ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

قاضی عبدالستار کا آبائی وطن مچھریٹہ ضلع سیتاپور اتر پردیش تھا۔ وہ زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ان کے والد کا نام قاضی عبدالعلی عرف بڑے بھیا اور والدہ کا نام عالمہ خاتون تھا۔ انھوں نے جب آنکھیں کھولیں تو تعلقہ داری اور زمینداری پورے شباب پر تھی ۔ان کی پرورش بڑے ناز ونعم سے ہوئی، ان کے دادا دو بھائی تھے، قاضی فرخند علی اور قاضی فیاض علی۔ فرخند علی کا ایک بیٹا تھا جو شکار کرتے وقت ہاتھی سے گرا، کمر سے بندھا ہوا ریوالور غلطی سے چل گیا اور وہ مر گیا۔ بیٹے کی موت کا غم ماں سے برداشت نہ ہوا وہ بھی دار فانی سے کوچ کر گئیں ۔فرخند علی نے دوسری شادی نہیں کی، خود کو جائیداد کے انتظام اور اپنے بھائی کے بچوں کی تربیت میں مصروف کر لیا۔ قاضی فیاض علی کورٹ آفیسر وارڈس میں اسسٹنٹ منیجر تھے، قاضی عبدالستار کے والد جب پانچ سال کے تھے تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ قاضی فیاض علی نے دوسری شادی کی، ان سے تین بچے پیدا ہوئے ۔ تیسری شادی ایک طوائف مندر جہاں سے کی اور چوتھی شادی لکھنؤ کی ایک بیگم سے کی جو ان پر فریفتہ ہو گئی تھیں ۔ وہ بیگم سرکار کہی جاتی تھیں۔

قاضی عبدالستار کے والد تین ماؤں کے لاڈلے تھے ۔ بگڑنے کے سارے اسباب تھے ۔ وہ انگریزی اسکول میں داخل کرائے گئے، علی گڑھ اور ندوہ بھی بھیجے گئے، لیکن کہیں نہیں پڑھ سکے ۔ آخر میں مچھریٹہ کے مڈل اسکول میں داخلہ ہوا اور یہیں سے مڈل پاس کیا۔ شکار کا شوق ان کو جنون کی حد تک تھا۔ شادی کے تیسرے دن ہی شکار کے لیے نکل گئے ۔ بہت تلاش کے بعد تیسرے دن جنگل سے برآمد کیے گئے ۔ ابھی دلہن کے ہاتھوں کی مہندی میلی بھی نہیں ہوئی تھی کہ سیاحت پر نکل گئے، کئی مہینے بعد واپس لوٹے ۔ ان کی سیاحت اور شکار کا مشغلہ جاری رہا۔ جس کی وجہ سے قاضی صاحب اور ان کی بہن کو باپ کی شفقت و محبت نصیب نہ ہو سکی ۔ قاضی صاحب کے والد سندھ کے اپنے ایک دوست میجر کے پاس بسٹرڈ کا شکار کھیلنے گئے ۔ تبھی ہندو پاک کا بٹوارہ ہو گیا اور وہ پاکستان میں رہ گئے۔

سالوں بعد جب حالات معمول پر آئے اور انھیں وہاں کی شہریت ملی تو وہ ویزا لے کر دو بار ہندوستان آئے ۔ پہلی بار ۱۹۴۶ء میں، دوسری بار ۱۹۶۶ء میں اس وقت قاضی عبدالستار مسلم یونیورسٹی میں لکچرار تھے، کچھ دن علی گڑھ رکنے کے بعد مچھریٹہ چلے گئے، کئی مہینے وہاں رکے پھر ایک دن ہندوستان چھوڑ کر چلے گئے ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انھیں سعودی عرب کی شہریت مل گئی ہے ۔ کسی شہزادے کے اتالیق ہو گئے تھے ۔ شہزادے کو نشانہ بازی اور گھڑسواری سکھانے کی ملازمت مل گئی تھی ۔۱۹۸۲ء میں ان کے انتقال کی خبر آئی ۔ قاضی صاحب کی والدہ خاموشی سے اٹھیں اور جانماز پر بیٹھ گئیں اور قاضی صاحب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ساری رات شراب پیتے رہے۔

قاضی عبدالستار کی والدہ نے ان کے سامان کی نیلامی کرانے اور پیسہ ان کے نام پر غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔ قاضی صاحب کی والدہ بڑے صبر و تحمل والی خاتون تھیں ۔ زندگی میں کبھی کوئی شکوہ شکایت نہیں کیا، شوہر کے مرنے کے بعد ہاتھ کی چوڑیاں اور ناک کی کیل اتار کر سفید ساڑی پہن لیں ۔ ان کا اب زیادہ تر وقت جانماز پر گزرتا تھا۔ اپنی والدہ کی بے بسی، صبر و تحمل اور اپنی طبیعت و مزاج کے متعلق قاضی عبدالستار یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ابو جان آخری وقت میں ولی اللہ ہو گئے، لیکن جوانی کے شیطان کی حیثیت سے انھوں نے دو لوگوں کی زندگی برباد کر دی ۔ میری ماں کو سہاگن بیوہ کر دیا اور مجھ کو باپ کی موجودگی میں یتیم بنا دیا ۔ اماں ساری زندگی نارمل نہیں رہیں ۔ اس کا سبب ابو جان کا ہجر تھا۔ ایک رئیس گھرانے کی خاتون مدتوں تیل میں بگھری ہوئی دال اور روٹی کھاتی رہیں اور اس کی ڈیوڑھی پر ہر جمعرات کو چار چار پانچ پانچ فقیر دیسی گھی میں پکا ہوا گوشت اور روٹی کھاتے رہے ۔ میری ماں نے مجھے انتہائی

ضبط اور تحمل کے ساتھ انتہائی لاڈ پیار کے ساتھ پالا، لیکن ابو جان کا غم میری شخصیت میں گھن کی طرح لگ گیا۔ میں ذرا سی بات پر جب بگڑ جاتا ہوں یا اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہوں یا انتہائی غیر دانش مندی کا ثبوت دیتا ہوں تو یقین جانیے یہ سب ابو جان کے فراق کی دین ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ابو جان مچھریٹہ میں ہوتے اور ان کے چھتر کا سایہ مجھے نصیب ہوتا تو میں دوسری طرح کا انسان ہوتا۔ پھر سوچتا ہوں کہ اگر ابو جان ایسے نہ ہوتے جیسے تھے تو شاید میں بھی ایسا نہ ہوتا جیسا ہوں۔ یونیورسٹی میں پروفیسر ہونے کے بجائے ایک زمین دار ہوتا۔ ادیب ہونے کے بجائے محض ایک مدرس ہوتا۔ آج ادیب کی حیثیت سے میری جو شناخت ہے تو شاید یہ بھی ابو جان کی ہجرت کی عطا ہے۔''[1]

قاضی صاحب کی زندگی میں جہاں پدرانہ شفقت کی محرومی، تنہائی جیسے اذیت ناک لمحے گزرے ہیں وہیں انھوں نے حسن و عشق، نشاط و نغمہ، لب و رخسار کی حسین وادیوں کی سیر کی ہے۔ انھوں نے چار عشق کیے۔ جن میں دو ناکام ہوئے اور دو شادی کے انجام تک پہنچے، لیکن نتیجہ آخر کار تنہائی کی صورت میں برآمد ہوا۔ پہلا عشق جب وہ سیتاپور میں تھے وہاں قمر نام کی ایک یتیم لڑکی سے ہوا۔ ابھی عشق کے ابتدائی مراحل طے ہو رہے تھے کہ ان کا خاندان پاکستان چلا گیا۔ دوسرا لکھنؤ میں شمیم سے ہوا جو شیعہ خاندان سے تھی ان کی محبت کے درمیان شیعہ سنی کا مسئلہ پیش آیا اور لڑکی نے زہر کھا کر اپنی جان دے دی۔ شمیم کے انتقال کے بعد قاضی صاحب کو شادی سے کوئی دلچسپی نہ بچی، لیکن ان کی والدہ نے اصرار کر کے اپنے رشتے کے بھائی راجہ نواب چودھری محمد محمود کی اولاد اکبر شاہدہ بیگم جن کے نام سے پانچ سو بیگھہ زمین تھی ۹ فروری ۱۹۵۷ء میں قاضی صاحب سے ان کی شادی کرا دی۔ بیگم کا احساس برتری و تکبر قابل بیان تھا، اور منکسر المزاج قاضی صاحب بھی نہ تھے۔ دونوں کی انا اور عزت نفس ٹکرائی اور وہ میکے جا کر بیٹھ گئیں، دو بچے تھے ان کی پرورش کے لیے قاضی صاحب نے اپنی والدہ کو بلا لیا۔ بیگم صاحبہ کی ضد تھی کہ قاضی صاحب لینے آئیں، لیکن وہ نہیں گئے، کچھ عرصے بعد ان کا میکے میں انتقال ہو گیا۔

تیسرا عشق نواب اکبر آباد کی بیٹی تاجم سلطان سے ہوا جو بٹیا سرکار کہی جاتی تھیں۔ ان کی ملاقات کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر کے ہمراہ وائس چانسلر لاج میں ہوئی۔ دہلی میں ان کا خاموشی سے نکاح ہو گیا اور قاضی صاحب بھیا سرکار بن گئے، لیکن ایک دن ان کی ایک عزیزہ جنھوں نے بٹیا سرکار کے لیے اپنے چھوٹے بھائی کا پیغام دیا تھا بٹیا سرکار نے انکار کر دیا تھا، انھوں نے اپنے گھر دولہا دلہن کی دعوت کی اور پان کی گلوری میں کوئی چیز ملا دی دوسرے دن بٹیا سرکار کی طبیعت ناساز ہوئی کوئی علاج و معالجہ کام نہ آیا تین دن کے اندر ان کا انتقال ہو گیا۔

چوتھا عشق دہلی کی ایک لڑکی کوثر سے ہوا، جو ایم اے کرنے علی گڑھ آئی تھی۔ وہ قاضی صاحب کی بہن کی دوست تھی۔ بہن کے ساتھ قاضی صاحب کے گھر آتی جاتی تھی۔ قاضی صاحب اور کوثر کی ملاقاتیں عشق اور پھر شادی تک پہنچ گئیں۔ آٹھ برس ان کی زندگی خوشگوار گزری۔ اس کے بعد کوثر کو دماغی خلل ہو گیا اور قاضی صاحب سے بدتمیزی اور بچوں سے مار پیٹ کرنے لگی۔ آخر کار وہ مر گئی اور تاحیات تنہائی قاضی صاحب کا مقدر بن گئی۔ والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ بیٹا دریز بھی بدنام بدمعاشوں کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔ ان ناسازگار حالات میں قاضی صاحب نے ریوالور سے خودکشی کی کوشش کی، لیکن ابھی زندگی باقی تھی۔ چھوٹے بیٹے شاویز نے بڑے بھائی کی سالی سے اپنی مرضی سے شادی کر لی، بعد میں طلاق ہو گئی اور چند ماہ بعد قاضی صاحب کے پڑوسی فاضلی صاحب کی بیٹی سے شاویز نے دوسری شادی کر لی۔ قاضی صاحب صبر و برداشت کرتے رہے۔

قاضی عبدالستار چھ ماہ کے تھے ان کے حقیقی دادا کا انتقال ہو گیا تھا۔ بڑے دادا قاضی فرخند علی انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ آخری عمر میں انھوں نے اپنی تمام جائیداد کا وارث قاضی عبدالستار کو بنا دیا تھا۔ اس طرح قاضی صاحب بڑے دادا کے آٹھ آنہ اور حقیقی دادا کے چار آنہ کل ملا کر بارہ آنہ کے وارث ہو گئے۔ یہ بات ان کے چچا اور سوتیلے بھائیوں کو پسند نہ آئی۔ انھوں نے قاضی صاحب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے دادا کے دوست ٹھاکر ہنومان سنگھ نے بچا لیا، ان کی سرپرستی میں قاضی صاحب کو ہمیشہ امن و سکون میسر رہا۔

قاضی عبدالستار کی بسم اللہ جن مولوی صاحب نے کرائی انھوں نے ان کے دادا اور والد کی بسم اللہ بھی کرائی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ سال تھی۔ ان مولوی صاحب نے قاضی عبدالستار کو پڑھایا بھی تھا۔ قاضی صاحب ابھی تین سال کے نہ تھے کہ ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے ان کے دادا (جو میونسپل بورڈ کے چیئرمین تھے سارے اسکول ان کے انڈر میں آتے تھے) کی خوشامد اور جی حضوری کے لیے اپنے اسکول میں داخلہ کر لیا اور دادا کے کہنے پر اپنی مرضی سے ان کی عمر چار سال چار ماہ چار دن لکھ دی۔ یہی عمر ہمیشہ درج ہوتی رہی۔ ان کی تعلیم و تربیت ان کے ماموں قاضی جمیل الدین ایڈوکیٹ اور چچا محمود علی رئیس مچھریٹہ کے زیر نگرانی

ہوئی۔ سیتا پور میں ان کا داخلہ تیسری کلاس میں ہوا بارہویں تک کی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اسی زمانے میں وہ شعروسخن کی طرف مائل ہوئے اور اپنے استادگرچرن لال شیدا کے ساتھ مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگے۔ استاد کی خواہش تھی کہ قاضی صاحب شاعری کی طرف توجہ دیں، لیکن انھیں شاعری کے بجائے فکشن سے دلچسپی تھی۔ ان کا پہلا افسانہ 'اندھا' ۱۹۴۶ء میں لکھنؤ کے رسالہ 'جواب' میں شائع ہوا۔ وہ لکھنؤ یونیورسٹی میں بی۔اے۔ آنرز اورایم۔اے میں فیکلٹی گولڈ میڈلسٹ رہے۔ مسلم یونیورسٹی سے رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں ''اردو شاعری میں قنوطیت'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۵۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو لکچرار کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۱۹۹۱ء میں پروفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ تاعمر قاضی صاحب کا قلم بے تکان اردو کی خدمت انجام دیتا رہا۔

قاضی صاحب ایک خاص موضوع اور اسلوب کے موجد ہیں۔ ان کا فن اودھ کی مٹتی وسسکتی تہذیب کا عکاس ہے۔ ان کا پہلا ناول ''شکست کی آواز'' ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تو ان پر رجعت پسندی اور لکیر کا فقیر ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ اس کا ردعمل قاضی صاحب پر بہت شدید ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اسی نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھ کر شب گزیدہ، غبار شب، مجو بھیا اور بادل لکھ ڈالا۔ ''شکست کی آواز'' بہت مقبول ہوا چار پانچ زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔ قاضی صاحب اپنے فکر وفن کے متعلق بیان کرتے ہیں:

> ''اگر میرا پہلا ناول یعنی ''شکست کی آواز'' Reactionary ہے تو یہ سب Reactionary ہے۔ زمین دار جس کی حالت قابل رحم ہے، وہ گاؤں کی عدالت، پنچایت کے سامنے جیسے کٹہرے میں کھڑا ہوا ملزم ہے اور اس کے مقدمات کا فیصلہ آج وہ آدمی کر رہا ہے جو اس کے سامنے کبھی بیٹھنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اس Torcher کو میں نے افسانوں اور ناولوں میں پیش کیا ہے۔''[۲]

قاضی صاحب نے درجنوں کتابیں لکھیں، فکشن میں شکست کی آواز، شب گزیدہ، بادل، مجو بھیا، غبار شب، داراشکوہ، صلاح الدین ایوبی، غالب، حضرت جان، خالد بن ولید، تاجم سلطان، آخری کہانی، پیتل کا گھنٹہ، آئینہ ایام، تنقید میں اردو شاعری میں قنوطیت اور جمالیات اور ہندوستانی جمالیات۔ کتابوں کے عنوانات سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور ان کا حق ادا کیا ہے۔ ان کے موضوعات میں ایک طرف اودھ کی تہذیب وثقافت ہے تو دوسری طرف تاریخ وتمدن اور اسلامی ثقافت کی عظمت رفتہ بھی شامل ہے۔

قاضی عبدالستار کی تحریروں میں اودھ کی تہذیب، دیہات، شہر ومحلاتی زندگی اور تاریخ کے پوشیدہ گوشوں کی عکاسی ومنظر کشی بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ انھوں نے انسانی نفسیات کی ترجمانی، تحت الشعور کے نہاں خانے میں پوشیدہ جذبات واحساسات کو بڑی خوبصورتی سے اپنی تحریروں میں سجایا ہے۔ قاضی صاحب اپنی زندگی کے تلخ تجربات وتنہائی کے اذیت ناک لمحوں کو محرومی وبے بسی کے بجائے ایک نیا معنی ومفہوم عطا کرتے ہیں۔ راشد انور راشد نے قاضی صاحب سے ان کی ۳۰ سالہ اذیت ناک تنہائیوں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہ جواب دیا تھا:

> ''میرے زخموں کو جو سر سے پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کو کھرچ دیا ہے۔ ایک مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ تنہائی کی زندگی گزارنا ولی اللہ ہوں کا کام ہے۔ میں تو کسی معمولی سے معمولی ولی اللہ کے پاپوش کی گرد بھی نہیں ہوں، لیکن میں نے یہ برس گزارے ہیں۔ میں نے تنہائی کے اذیت ناک لمحے گزارے ہیں۔ تنہائی اگر خود تراشیدہ ہے تو جنت ہے اور اگر نازل کی گئی ہو تو عذاب الٰہی ہے۔ میری تنہائی میری تراشیدہ ہے۔ میں تنہائی کو ایک دلہن کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ یاد رکھیے تنہائی تخلیق کی ماں ہے۔ اگر کوئی شخص تنہا نہیں رہ سکتا تو وہ تخلیق بھی نہیں کر سکتا۔''[۳]

قاضی عبدالستار کی شخصیت میں انانیت، خاکساری، منکسر مزاجی، بانکپن، فکرمندی اور لاابالی پن جیسی متضاد خصوصیات موجود تھیں۔ وہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے کے سامنے عاجزی وانکساری کی انتہا کر دیتے تھے۔ دوسروں کے لیے فکرمند رہتے تھے، لیکن اپنے متعلق وہ بے فکرو بے پروا رہتے تھے۔ قاضی صاحب صاحبِ طرز افسانہ نگار اور منفرد اسلوب کے ناول نویس تھے۔ اردو میں محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد کے بعد قاضی عبدالستار صاحب اسلوب نظر آتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں جاگیردارانہ نظام کی مکمل ترجمانی وعکاسی بھرپور طریقے سے کی گئی ہے۔ قاضی صاحب کے تقریر وتحریر، کردار وگفتار میں ان کے خاندانی پس منظر کی جھلک نظر آتی ہے۔ زبان وبیان پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ ان کا طرز بیان قاری کو سحر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ فصاحت و بلاغت ان کی تحریروں کی جان ہے۔ وہ استعارہ کے بادشاہ تھے۔ مثال کے لیے دارا شکوہ کا انداز دیکھیں:

> ''حضرت دہلی نے شاہ جہاں آباد کی خلعت زیب تن کی، جامع

مسجد کے حمائل سینے سے لگائی۔قلعۂ معلیٰ کی مرصع عمارتوں کے زیورات ہاتھ گلے میں پہنے اور دارالسلطنت کی مندیل پر تخت طاؤس کا گوہر نگار سر پیچ باندھ کر شہنشاہ ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی کے حضور میں سات سلام کیے۔''[۴]

انجمن اساتذہ جامعات ہند کا وفد پاکستان جارہا تھا تو اس وفد کے وائس پریسیڈنٹ کی حیثیت سے قاضی صاحب پاکستان کے دورے پر گئے۔وہاں کے ادیبوں وفن کاروں نے ان کی بڑی قدردانی کی،ان کے اعزاز میں جلسے کیے گئے۔ان کی کتابوں کی پذیرائی ہوئی''داراشکوہ'' کی خاص طور سے پذیرائی کی گئی۔پاکستان کے صدر جنرل ضیاءالحق نے قاضی صاحب کو پاکستان کی شہریت کے ساتھ کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر عہدہ کی پیش کش کی،لیکن قاضی صاحب نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ جس ملک نے مجھے پدم شری کے اعزاز سے نوازا ہے میں اس مٹی کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔اسی طرح قاضی صاحب کے ہندو دوستوں نے کہا کہ آپ تسلیم کرلیں کہ آپ ہندی زبان سے واقف ہیں تو ناول داراشکوہ پر دو لاکھ کا انعام حاضر ہے۔قاضی نے جواب دیا میں واقعی ہندی نہیں جانتا تو تسلیم کیسے کرلوں۔میں اس رقم کے عوض اپنی دیانت تو نہیں بیچ سکتا۔اس نوعیت کے متعدد واقعات ہیں۔قاضی صاحب نے کسی عہدے یا کسی انعام کے لیے کبھی اپنی دیانت داری کو داؤ پر نہیں لگایا۔ایسے ادیب اردو میں کم ہی نظر آتے ہیں۔

تاریخی ناول،زمین دارانہ ناول،جاگیردارانہ ناول لکھتے وقت ناول نگار کو کن باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے اس کے متعلق قاضی صاحب کا نظریہ قابل قدر ہے،وہ فرماتے ہیں:

''فضا آفرینی تاریخی ناول کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔اگر کوئی ناول نگار فضا کی تخلیق پر قادر نہیں ہے تو وہ ناکام تاریخی ناول نگار ہے۔فضا کی تخلیق کے لیے ضروری ہے کہ اس عہد کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات اور معمولی سے معمولی جزئیات کا علم بھی ہو اور اس کے انتخاب کا سلیقہ بھی ہو۔یہ تو سب جانتے ہیں کہ کیا لکھنا ہے،یہ صرف بڑا ادیب جانتا ہے کہ کیا نہیں لکھنا ہے۔ناول نگار کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زمین دار صرف اپنے لیے زندہ رہتا ہے،اس کا نہ باپ ہوتا ہے،نہ بیٹا،نہ بیوی،نہ بچے۔جاگیردارانہ زندگی درحقیقت حکمراں ریاست کے حاکم کا بیان ہوتی ہے..... یہاں کوئی قدغن نہیں ہے،کوئی خوف نہیں ہے،کوئی اندیشہ نہیں ہے۔''[۵]

قاضی صاحب کے تجربات ومشاہدات بہت وسیع تھے۔تاریخ کا مطالعہ انھوں نے بڑی باریک بینی سے کیا تھا۔زمین دار خاندان سے تھے،اس لیے اس کے متعلق ان کا ذاتی تجربہ تھا جب کہ جاگیردار خاندان کی تاجم سلطان ان کی بیوی تھیں ان کا رہن سہن دیکھا اور برتا تھا۔ان کا یہ ذاتی تجربہ ومشاہدہ ان کی تحریروں کی کامیابی کا ضامن بنا۔

قاضی صاحب کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔جس سے ان کے موضوعات کے تنوع کا اندازہ کیا جاسکے۔

شکست کی آواز: اس ناول میں زمین دارانہ نظام،طرز معاشرت عروج وزوال،شکست وریخت کی روح فرسا داستان کو بیان کیا گیا ہے۔

شب گزیدہ: ناول خالص معاشرتی ہے،اس ناول میں زمین دارانہ نظام کے کھوکھلے پن کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس ناول میں قدیم وروایتی تصورات کے حامل زمین دار اور نئی اقدار کے حامل اکلوتے بیٹے کے ذہنی تصادم کی کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔ناول کی کہانی حقیقت پر مبنی ہے۔باپ اقتدار کے ہوس میں جوان بیٹے کا قتل کردیتا ہے۔ناول میں زمیندارانہ اقدار وروایات،گھریلو زندگی کے طور طریقے کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے۔سیاسی حالات وواقعات اس بات کی طرف اشارہ کررہے تھے کہ عنقریب زمینداری کا خاتمہ ہونے والا ہے،لیکن زمیندار یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا۔تلخ حقائق سے چشم پوشی،عیاشی وشیخی ان کے ناگفتہ بہ حالات کا سبب بنی۔مثال کے لیے شب گزیدہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔اس میں بیٹا باپ کو سمجھاتا ہے کہ زمین داری ختم ہونے والی ہے ابو غیر ضروری مصارف ختم کردیجیے جواب میں زمیندار کی اکڑ وہٹ دھرمی ملاحظہ ہو:

''ابو یہ بات میں نے اس لیے گوش گذار کی تھی کہ آئے دن اخباروں میں یہ آتا رہتا ہے کہ ہندوستان آزاد ہونے والا ہے اور ہندوستان آزاد ہونے کے بعد کانگریسی حکومت جو کام سب سے پہلے کرے گی وہ یہ کرے گی کہ زمینداری ختم کرے گی۔''

''کیا؟'' ابو اتنے زور سے گرجے کہ جمی پریشان ہوگیا۔''میری زمینداری چٹائی ہے؟ دری ہے؟ جاجم ہے؟ آخر کیا ہے؟ زمینداری ختم ہوجائے گی اور ہم تماشہ دیکھا کریں گے؟'''' تو جھک مار رہا تھا۔بدمعاش! دور ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔''[۶]

داراشکوہ: اس میں انھوں نے داراشکوہ کی صفات کو بیان کیا ہے۔تاریخ نے جہاں اورنگ زیب کو ہیرو بنایا ہے اس کے برخلاف قاضی عبدالستار کی تخلیقی عظمت کا بین ثبوت ہے کہ انھوں نے داراشکوہ کے تخت

وتاج سے سروکار نہ رکھتے ہوئے اس کی انسانیت نوازی، تصوف اور مختلف ادیان اور اس کے رہنماؤں سے وابستگی اور ہندو اساطیر سے دلچسپی کی وجہ سے دارا شکوہ کو اپنا ہیرو بنایا۔ قاضی عبدالستار کی شخصیت اور ان کے فکر وفن کی عبقریت کی دلیل ہے کہ وہ تاریخی واقعات اور حادثات کو ایک حساس اور دردمند فن کار کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

صلاح الدین ایوبی: یہ تاریخی ناول ہے اس میں انھوں نے اسلامی تاریخ کے عدیم المثال سپہ سالار وصحابیِ رسول خالد بن ولید کو مرکزی کردار بنا کر ایک شاہ کار ناول پیش کیا ہے۔

غالب: قاضی عبدالستار نے غالب جیسے اہم شاعر کی حیات وصفات کو موضوع بنا کر ایک بے مثال ناول پیش کیا ہے۔

حضرت جان: یہ ناول طوائف کی زندگی کو محور بنا کر تخلیق کیا گیا ہے۔

تاجم سلطان: یہ ایک سوانحی ناول ہے اس میں قاضی صاحب نے تاجم سلطان سے اپنی شادی ا ور ان سے اپنی محبت کی داستان اور جاگیردارنہ روایت واقدار کو پوری آب وتاب کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آخری کہانی: سوانحی ناول ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے اپنے ایک ہندو دوست راجہ بھانو پرتاب سنگھ ٹھاکر اور ان کی بیوی شانتی کی داستان کو بیان کیا ہے۔ بھانو پرتاب کا انتقال ہوجاتا ہے۔ شانتی کو ایک بیٹا ہے اور وہ اپنے باپ کے گھر لکھنؤ میں جمال پور ہاؤس میں رہتی ہے۔ قاضی صاحب کو وہ اپنا بھائی مانتی ہے۔ شانتی کے ماں باپ بھی ان کو بیٹے کی طرح سمجھتے ہیں۔ شانتی جسے قاضی صاحب رانی کہتے ہیں اپنی روداد زندگی سناتی رہتی ہے۔ قاضی عبدالستار اس کا خاص خیال رکھتے ہیں اور اپنی تخلیقات ومصروفیات کی تفصیلات سے اسے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ شانتی کا بیٹا بھی قاضی صاحب سے بہت قربت رکھتا ہے، قاضی صاحب اسے پیار سے راجہ بیٹا پکارتے ہیں۔ آخر میں شانتی کو بلڈ کینسر ہوجاتا ہے اور وہ مرجاتی ہے۔ قاضی صاحب کو اپنے دوست اور اس کی بیوی شانتی کی ناگہانی موت کا بے حد صدمہ ہوتا ہے۔ اس ناول میں قاضی صاحب نے اپنی تعلیم وشادی اور ادبی مصروفیات وغیرہ کے بارے میں بھی بیان کیا ہے۔

بادل: اس کہانی میں ایک زمین دار دوسرے زمین دار کے ہاتھی پر عاشق ہوجاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے شادی کرتا ہے، پھر بیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہاتھی کی وجہ سے دو گھر برباد ہوجاتے ہیں۔

غبار شب: اس کہانی میں زمین دار اپنی زمین داری بچانے کے لیے مذہب تبدیل کرلیتا ہے۔

افسانہ کے متعلق قاضی عبدالستار کا قول ہے کہ ''افسانہ چاول پر قل ھواللہ لکھنے کا آرٹ ہے۔'' کم سے کم الفاظ میں پوری بات واضح طور پر کہی جاتی ہے۔

پیتل کا گھنٹہ: یہ ایک افسانوی مجموعہ ہے۔ پیتل کا گھنٹہ، مالکن، رضو باجی افسانوں میں تعلقہ داری کے زوال کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اسی مجموعے میں شامل ایک ناولٹ مجو بھیا ہے۔ یہ کہانی ایک زمین دار نوجوان پر مبنی ہے۔ نوجوان ایک رئیس کے گھوڑے پر عاشق ہوجاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے قتل وغارت گری سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہ کہانی گھوڑے کے حصول اور اقتدار کے اردگرد گھومتی ہے۔

زمین دارانہ نظام کو ظالمانہ نظام بتایا گیا ہے۔ کیوں کہ زمین دار اپنے اقتدار کے لیے بیٹا، باپ، بھائی کسی کا بھی قتل کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ ضرورت پڑنے پر اپنا مذہب بھی تبدیل کرسکتا ہے، لیکن زمام اقتدار کو ہاتھ سے نکلتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ قاضی صاحب کی زیادہ تر کہانیوں کے واقعات حقائق پر مبنی ہیں۔ انھیں مشرقی تہذیب وتمدن اور علی گڑھ کی روایات واقدار کے مٹنے کا بڑا قلق تھا۔

قاضی عبدالستار کو اردو ادب کی بے مثال خدمات کے اعتراف میں انھیں بہت سے ایوارڈ سے نوزا گیا۔

پہلا غالب ایوارڈ ۱۹۷۳ء، پدم شری ایوارڈ ۱۹۷۴ء، میر ایوارڈ ۱۹۷۷ء، بہادر شاہ ظفر ایوارڈ ۲۰۰۲ء، انٹرنیشنل دوحہ قطر ایوارڈ ۲۰۰۵ء، اس کے علاوہ بھی متعدد اعزازات سے وہ نوازے گئے۔

۱۔ قاضی عبدالستار، اسرار وگفتار (گفتگو کی شکل میں سوانح عمری): راشد انور راشد: عرشیہ پبلی کیشنز: دہلی ۲۰۱۴ء، ص: ۵۸۔۵۹

۲۔ قاضی عبدالستار، اسرار وگفتار (گفتگو کی شکل میں سوانح عمری): راشد انور راشد: عرشیہ پبلی کیشنز: دہلی ۲۰۱۴ء، ص: ۲۵۱

۳۔ قاضی عبدالستار، اسرار وگفتار (گفتگو کی شکل میں سوانح عمری): راشد انور راشد: عرشیہ پبلی کیشنز: دہلی ۲۰۱۴ء، ص: ۳۲۰

۴۔ داراشکوہ: قاضی عبدالستار: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی: ۲۰۰۸ء، ص: ۷

۵۔ قاضی عبدالستار، اسرار وگفتار (گفتگو کی شکل میں سوانح عمری): راشد انور راشد: عرشیہ پبلی کیشنز: دہلی ۲۰۱۴ء، ص: ۲۷۷۔۲۷۸

۶۔ شب گزیدہ: قاضی عبدالستار: ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱۱

◆◆◆